پاکستان میں غلو کیسے پھیلا؟

(پاک و ہند میں غلو اور تفویض کی ترویج کا تاریخی جائزہ)

تعارف

یہ کتابچہ سید حسین عارف نقوی نے سرزمین پاک وہند میں فرقہ شیعہ کے عقائد کی ترویج واشاعت پر تحریر کیا تھا۔ یہ فرقہ ایران میں شروع ہوا اور پھر اس کے عقائد ہندوستان میں بھی پھیلنے لگے۔ یہ لوگ تفویض کے قائل ہیں اور غالی کہلائے جاتے ہیں۔ حسین عارف کی پیدائش ۱۹۴۲ء میں ہوئی اور ۲۰۱۲ء میں انتقال کیا۔ وہ ایک کافی اچھے محقق تھے اور شیعہ علماء پاک وہند کے تراجم پر بہت کام کیا ہے۔ ہندوستانی و پاکستانی شیعہ علماء کی سیر اور تصانیف کو مختلف رسائل میں جمع کیا۔ چنانچہ غلاۃ پر لکھا گیا ان کا یہ مختصر مگر جامع رسالہ میں نے انگریزی زبان میں پڑھا۔ میں اصل میں ڈھکو صاحب (رحمہ اللہ) پر لکھے گئے ریسرچ پیپر تلاش کر رہا تھا تو یہ رسالہ مل گیا۔ میں نے چاہا کہ اس کو اپنے الفاظ میں دوبارہ قالب اردو میں ڈھال دوں۔ ترجمہ کرنے کا مقصد لوگوں کو یہ باور کرانا ہے کہ کس طرح شرک عوام الناس کے درمیان پھیلایا جاتا ہے اور علمائے دین کے بھیس میں شیاطین مومنین کو ورغلاتے ہیں، اہل البیت کی محبت کے نام پر انہیں اللہ تعالیٰ کی سبکی کرنے پر اکساتے ہیں۔ پس دعا ہے کہ اللہ ہمیں غلو کی آفت سے محفوظ رکھے، دین حق اسلام پر قائم رکھے اور ڈھکو صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے! یہ رسالہ پڑھنے کے بعد مجھے اپنی آراء سے ضرور مطلع کریں۔ (ماڈیسٹ مسلم: اگست ۲۰۲۴ء)

تعارف

مذہبی شخصیات کی تعریف وتوصیف کرنا ہمیشہ سے ہی مومنین کا شعار رہا ہے بالخصوص اگر وہ شخصیات اللہ رب العزت کی طرف سے آنے والے آئمہ ہوں۔ البتہ بعض لوگ آئمہ اہل البیت کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں درجہ الوہیت و ربوبیت پر بٹھا دیتے ہیں؛ اس کو غلو کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف بعض لوگ ان حضرات کے فضائل سے حسد کرتے ہیں اور ان کا درجہ گھٹاتے ہیں؛ ایسے لوگ مقصر کہلائے گئے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) کے ساتھ بھی بعض لوگوں نے حد سے زیادہ محبت کی اور بغض میں بھی آگے بڑھے۔ خود آپ ہی کا قول ہے کہ میرے معاملے میں دو لوگ ہلاک ہو گئے: محبت میں تفریط کرنے والا اور شدید نفرت کرنے والا۔

البتہ غلاۃ کے درمیان ایک فرقہ آئمہ اہل البیت کو واضح طور پر خدا نہیں پکارتا تھا۔ یہ لوگ تفویض کے قائل تھے جس کا مطلب ہے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ اختیارات معصومین (سلام اللہ علیہم اجمعین) کو ودیعت کر دیے ہیں جیسے مخلوق کو خلق کرنا، ان کے رزق کا انتظام کرنا اور زندگی موت کا فیصلہ کرنا۔ پس تفویض کے قائلین یعنی مفوضہ کہتے ہیں کہ اب آئمہ اہل البیت ہی کائنات کا نظام چلاتے ہیں اور ایک طرح سے ''رب'' ہیں۔ حالانکہ آئمہ اہل البیت نے ان باطل عقائد کی مخالفت کی اور اس قسم کے نظریات کے حامل افراد کو مشرک قرار دیا۔ یہ دیکھ کر کافی غلاۃ نے اپنے عقائد پوشیدہ رکھے اور عوام الناس کے درمیان گھل مل گئے۔ انہوں نے خود کو سچا شیعہ ظاہر کیا اور بہت خاموشی کے ساتھ اپنے نظریات لوگوں میں پھیلائے یہاں تک کہ آج عوام کی ایک بڑی جماعت لاعلمی کی بناء پر تفویض کا عقیدہ قبول کر چکی ہے۔ شروع کے دور میں تو اصحاب آئمہ اور علمائے شیعہ متقدمین نے تفویض کے قائلین کی بھرپور مخالفت کی اور شیعوں کو ان لوگوں سے دور رہنے کی تاکید کی۔ مگر افسوس کہ ہزار سال کے بعد مفوضہ نے دوبارہ ظہور کیا اور اپنے عقائد کی ترویج کرنا شروع کی۔ کیونکہ اس دور کے علماء اس فتنے کے سد باب میں ناکام رہے۔

انیسویں صدی عیسوی میں ایک شیعہ عالم دین شیخ احمد الاحسائی (۱۷۵۳ء تا ۱۸۲۶ء) نے فلسفے کے نام پر تفویض کا عقیدہ لوگوں کے درمیان متعارف کرایا۔ شیخ احمد کا تعلق عرب کے علاقے الاحساء سے تھا جہاں انہوں نے اپنے عقائد کی ترویج کی اور بعد ازاں عراق و ایران جا کر لوگوں کو تفویض کی جانب دعوت دینے لگے۔ نجف اور کربلا میں ٹھہرا اور رہا جہاں سید کاظم رشتی (۱۷۹۳ء تا ۱۸۴۳ء) شیخ احمد کے شاگرد بن گئے۔ البتہ نجف کے علماء نے شیخ احمد کی بھرپور مخالفت کی اور انکے عقائد کو باطل قرار دیا۔ چنانچہ وہ عراق سے مدینہ واپس گئے اور وہیں بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ چنانچہ رشتی ان کے جانشین بنے اور شیخی جماعت کی سربراہی کی۔ لیکن رشتی کے مرنے کے بعد یہ غلو پر مبنی تحریک مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی: شیخی، بابی، بہائی اور ازلی۔ یہ سب لوگ شیخ احمد کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن شیعہ علماء کے نزدیک یہ سب گمراہ ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ شیخیوں کے مندرجہ بالا عقائد مذہب امامیہ سے مختلف ہیں:

ا) شیخ احمد نے کہا کہ آئمہ اہل البیت صرف ظاہری طور پر انسان ہیں وگرنہ درحقیقت ان کا تعلق ایک دوسری ہی صنف سے ہے۔

ب) انہوں نے کہا کہ آئمہ اہل البیت کے پاس ربوبیت والے اختیارات ہیں چنانچہ وہ خالق ورازق والے کام انجام دے سکتے ہیں۔

ج) اللہ تعالیٰ نے پہلے آئمہ اہل البیت کو پیدا کیا اور پھر ان کے وسیلے سے پوری کائنات خلق کی۔

د) معجزات فعل خدا نہیں بلکہ فعل امام ہوتے ہیں یعنی ایک معجزہ ہمارے آئمہ کی غیبی طاقت کا ظہور ہوتا ہے۔

یہ سب عقائد قرآن وسنت کے خلاف ہیں اور شیعہ علماء نے ہمیشہ ان کی بھرپور مخالفت کی ہے۔لیکن پھر بھی یہ سب عقائد برصغیر پاک وہند کے شیعوں کے درمیان مقبول ہو گئے اور کافی لوگوں نے ان باطل نظریات کو اختیار کر لیا۔ چنانچہ اب ہم بیان کریں گے کہ برصغیر میں شیخیوں کے باطل نظریات کون لے کر آیا۔

برصغیر میں شیخیوں کی آمد

شیخیوں نے کاظم رشتی کے دور میں ہی ہندوستان میں اپنے قدم جما لیے تھے۔کاظم رشتی کے ایک شاگرد جن کا نام میرزا حسن عظیم آبادی (م:۱۸۴۴ء) تھا انہوں نے عراق میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ کا رخ کیا تا کہ عوام کو شیخی عقائد کی طرف بلا سکیں۔مرزا محمد مہدی نجوم السماء میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۵۲ھ کے اواخر میں لکھنؤ میں شیخ احمد اور کاظم رشتی کے عقائد کی اشاعت کی گئی۔میرزا حسن نے اس مسئلے پر ایک کتاب لکھی جس کا نام **کشف الظلام و قشع الغمام** تھا۔اسکے علاوہ انہوں نے شیخ احمد کی کتاب حیات النفس کو قالب فارسی میں ڈھالا۔علماء کی مخالفت کے باوجود میں اپنے کام میں لگے رہے۔سید العلماء مولانا سید حسین ابن دلدار علی (۱۷۹۶ء تا ۱۸۵۶ء) میں میرزا حسن کی کتابوں میں مخالفت میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام افادات حسینیہ تھا۔

میرزا حسن کی کوششوں کے باوجود شیخیوں کو ہندوستان میں زیادہ پذیرائی نہ مل سکی۔۱۲۶۰ھ میں ان کی موت واقع ہو گئی جس کے بعد سعید ملتانی نام کا ایک شخص جو کاظم رشتی کا پیروکار تھا شیخیوں کا نمائندہ بن کے رہا۔ بعد میں سعید ملتانی بابیوں سے جا کر مل گیا اور ان کے اٹھارہ حروف الحی ء (بابی مذہب کو قبول کرنے والے پہلے افراد) میں سے ہو گیا۔ باب نے سعید کو بابیت کی اشاعت کرنے ہندوستان بھی بھیجا تھا جہاں اس نے ایک اندھے انسان کو گمراہ کیا۔ چنانچہ ہندوستانیوں کو انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ہی شیخیوں اور بابیوں سے واسطہ پڑا۔اس ہی طرح مولانا سید حسن رضا ہندی ابن قاسم علی زنگی پوری (۱۱۹۳ھ تا ۱۲۷۹ھ) نے شیخیوں کے نظریات کے متعلق کاظم رشتی سے خط و کتابت کی۔پس شیخی شروع سے ہی سرزمین ہند میں اپنی گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

پھر خراسان سے شیخ محمد علی حیدر آباد (دکن) آئے جن کے ساتھ سید معصوم رشتی بھی تھے۔لیکن مولانا سید نثار علی عظیم آبادی نے ان لوگوں کی اس قدر مخالفت کی کہ شیخ محمد علی واپس خراسان چلے گئے۔مگر شیخ خراسانی کے جانے کے بعد حیدر آبادی شیعوں کے درمیان بحث چھڑ گئی کہ آیا رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) بارہ اماموں کے برابر ہیں یا سب سے افضل ہیں۔پھر حسن عظیم آبادی کے

ناکام مشن کوتابندہ کرنے کے لیے خواجہ عابد حسین انصاری سہارنپوری میدان میں آئے اور شیخیوں کے حق میں کتابیں لکھیں۔ان کی کتابوں کے نام یاعلی مدد اور انذار النا ذرین ہیں۔ان مضلات کے رد میں بعض کتابیں لکھی گئیں جن میں سب سے مشہور مولانا محمد مرتضٰی جونپوری (۱۸۳۴ء تا ۱۹۱۸ء) کی تالیفات ہیں جنھوں نے خواجہ عابد کی گمراہی کے رد میں الصول الاشد، فضل الصمد، تفضیح السارقین، افہام الحائرین وغیرہ لکھیں۔ایک اور تصنیف ارغام الماکرین ہے جس کے مصنف محمد حسن کماپوری ہیں۔

دوسری طرف بعض علماء نے خواجہ عابد کی حمایت کی مثلاً مولانا رضا حسین امروہوی (جنھوں نے ہدیہء رضویہ لکھی) اور مولانا سید کلب باقر (کشف الحق کے مصنف)۔کلب باقر نے قول الاسد کے نام سے خواجہ عابد کے رسالے یاعلی مدد کا فارسی ترجمہ لکھا جس کا جواب مرتضٰی جونپوری نے دیا۔سید اکبر علی نے تحقیق انیق لکھی جس میں شیخیوں کے عقائد پر گفتگو کی گئی۔مگر مولانا محمد مرتضٰی کے بھی بہت سارے حامیان تھے جیسے کہ محمد حسن کماپوری اور مشفق علی خان ابن علامہ بشارت علی خان جنھوں نے تصحیح البراہین تالیف کی۔پس معلوم ہوا کہ اس دور میں شیخیوں اور تفویض کو لے کر ہندوستانی شیعہ علماء دو گروہوں میں بٹ چکے تھے: ایک گروہ ان عقائد کے خلاف شمشیر برہنہ لے کر کھڑا تھا البتہ دوسری طرف بعض علماء شیخیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تھے۔ہندوستان کے باہر کے علماء نے بھی ان ابحاث میں شرکت کی۔سید احمد استرآبادی نے یاعلی مدد والے رسالے کا جواب برکات احمدیہ میں دیا جس کا ذکر آغا بزرگ طہرانی کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ کس طرح رسالہ یاعلی مدد میں خرافات وبدعات موجود تھیں۔

جب مشہور زمانہ شیعہ عالم دین عبدالعلی ہروی (۱۸۶۱ء تا ۱۹۲۲ء) ایران سے پنجاب تشریف لائے تب بھی مومنین کے درمیان شیخی عقائد کو لے کر بحث مباحثہ ہو رہے تھے۔علامہ عبدالعلی جو اس قدر معروف تھے کہ علامہ اقبال تک نے ان کی محافل میں شرکت کی عقائد کے اعتبار سے شیخیوں کی طرف مائل تھے۔ان کی تحاریر وتقاریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلو کی تائید کرتے تھے۔البتہ علامہ سید ابوالقاسم الحائری الرضوی (۱۸۳۳ء تا ۱۹۰۶ء) نے تفویض کی بھرپور مخالفت کی اور شیخیوں کے خلاف کتاب ہدیہء غالیہ تالیف کی۔اس کتاب میں انہوں نے شیخیوں کے اس عقیدے کا رد کیا کہ معراج کے موقع پر امیر المومنین (علیہ السلام) بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے ساتھ حاضر تھے۔ان کے فرزند ارجمند علی الحائری نے بھی تفویض کا رد کیا اور ایک رسالہ میں ان لوگوں کا رد کیا جو کہتے ہیں کہ سیدزادی کی شادی غیر سید سے حرام ہے۔

اکتوبر ۱۹۰۸ء کی بات ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے ایک جرنل میں یہ خبر بیان ہوئی کہ ناصر الملت مولانا سید ناصر حسین لکھنوی (۱۸۶۷ء تا ۱۹۴۲ء) سے پوچھا گیا کہ امیر المومنین (ع) کا استاد کون تھا۔مولانا نے جواباً کہا کہ رسول اللہ (ص) کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا لیکن چونکہ امیر المومنین (ع) کو آتا تھا چنانچہ بالضرور کسی اور نے انہیں لکھائی پڑھائی سکھائی ہوگی۔سید صغیر حسین نے اپنی ایک تالیف اظہار حق میں اس بات کی تائید کی البتہ سید محمد سبطین (عبدالعلی ہروی صاحب کے مؤثر شاگرد) کی جانب سے اس قول کی مخالفت ہوئی۔شیخیوں کی پاکستان آمد پر علامہ حسین زیدی برستی (م: ۲۰۱۲ء) نے کافی کام کیا ہے اور ان کی کافی کتابیں شیخیوں کے کفر پر دستیاب ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب تبصرۃ المھموم میں لکھا کہ مولانا محمد بشیر انصاری (۱۹۰۱ء تا ۱۹۸۳ء) دوسری جنگ عظیم کے دوران عراق گئے تاکہ

وہ برطانوی حکومت کے جاسوس کا کام کرسکیں۔ وہیں ان کی ملاقات میرزا موسیٰ اسکوئی (یا اسکونی) سے ہوئی جو اس وقت جماعت شیخیہ کا سربراہ تھا۔ چنانچہ محمد بشیر انصاری صاحب شیخی ہوگئے اور شیخیوں کی کتب لیے ہندوستان لوٹے۔ ان کتب میں شیخ احمد الاحسائی کی شرح زیارت اور میرزا موسیٰ کی احقاق الحق شامل تھیں۔

زیدی برستی نے اس ہی کتاب میں بیان کیا کہ شیخیوں نے پاکستان میں اپنی مخالفین کی ایک فہرست تیار کر رکھی تھی جس میں ان علماء کے اسماء گرامی شامل تھے جو شیخیوں کے نزدیک دین کے دشمن تھے۔ یعنی یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے شیخیوں کی مخالفت کی اور ان کے باطل عقائد کو عوام کے درمیان مقبولیت پانے سے روکا۔ ان سات حق پرستوں کے نام کچھ یوں ہیں:

ا) مفتی جعفر حسین

ب) مولوی محمد یار شاہ

ج) مولوی اختر عباس

د) مولوی محمد حسین ڈھکو

ہ) مولوی سیف اللہ

و) مولوی حسین بخش جاڑا

ز) مولوی گلاب شاہ

تقسیم ہند کے بعد کافی سارے شیعہ علماء بالخصوص وہ افراد جو لکھنؤ کے تعلیم یافتہ تھے پاکستان آ گئے۔ ان میں محمد بشیر انصاری، ظفر حسین نقوی، میرزا یوسف حسین، محمد عارف نقوی، ضمیر الحسن رضوی، نجم الحسن کراروی، علی حسنین شیفتہ وغیرہ شامل تھے۔ ان سب حضرات کا تعلق اتر پردیش سے تھا۔ پنجاب میں پیدا ہونے والے شیعہ علماء میں مفتی جعفر حسین، گلاب علی شاہ، عنایت علی شاہ، عبدالغفور جعفری، غلام حیدر کلو وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے دینی تعلیم لکھنؤ یا میرٹھ سے حاصل کی تھی۔ تعجب کی بات ہے کہ لکھنؤ کے تربیت یافتہ بعض شیعہ علماء بعد میں شیخیوں سے متاثر ہوگئے حالانکہ لکھنوی علماء شیعہ نے ہمیشہ غلو کی مخالفت فرمائی ہے۔

چنانچہ کئی لکھنوی شیعہ علماء ایسے ہیں جنہوں نے جانتے بوجھتے یا جہالت کی بناء پر شیخیوں کے عقائد کی ترویج کی۔ مندرجہ بالا پنجابی علماء میں سے سب شیخیوں کے خلاف تھے سوائے کلو کے جو اپنے فن خطابت اور پرسوز مجالس کے لیے جانے گئے۔ چنانچہ اپنی کتاب امہات الآئمہ میں انہوں نے عبدالعلی ہروی اور محمد سبطین پر ترحم کیا ہے۔ مسئلہ یہ پیش آیا کہ پاکستان بننے کے بعد یہاں کے لوگوں کا لکھنؤ سے رابطہ منقطع ہوگیا تھا اور وطن عزیز میں اس وقت ملتان کے مدرسہ باب العلم کے علاوہ کوئی پائے کا مدرسہ تھا ہی نہیں جو شیعہ عقائد کا دفاع کرتا اور مومنین کو غالی بننے سے روکتا۔ دوسری طرف علاقائی ذاکرین وخطباء وعلماء نے اہل البیت کے فضائل بیان کرتے وقت توحید کا دامن ہی ہاتھ سے جانے دیا جس کے سبب معصومین (سلام اللہ علیہم اجمعین) کو لے کر کافی سارے غالیانہ نظریات لوگوں میں پھیل گئے۔ ذاکرین فضائل بیان کرتے وقت لوگوں کو دینی امور انجام دینے کا حکم بھی نہیں دیتے تھے۔ پس لوگوں کو یہ بتا دیا گیا کہ مجالس حسینیہ میں آؤ اور ماتم و

گریہ کرو؛ رونے دھونے کے علاوہ کچھ کرنے کی تمہیں چنداں حاجت نہیں۔

حیدرآباد (دکن) میں شیخیوں نے قدم جما لیے تھے۔ وہاں سے ایک صاحب جنکا نام سید محمد زکی حسین رشتی تھا پاکستان آکر یہاں کے شہر مہراب پور (نواب شاہ، سندھ) میں آ بسے۔ انہوں نے اپنی کتاب عظمت اہل بیت میں دو مسائل پر گفتگو کی: ایک تو یہ کہ اذان میں کلمہ علیا ولی اللہ کہنا واجب ہے اور دوم یہ کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے باطل ہے۔ جب پاکستان میں غلاۃ نے اس طرح اپنے نظریات کی ترویج شروع کر دی تو اس وقت بعض پاکستانی علماء نجف سے لوٹے۔ ان علماء میں سے ایک محمد حسین نجفی ڈھکو (م: ۲۰۲۳ء) تھے۔ تیس کے دہائی میں پیدا ہونے والے مولانا ڈھکو ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم محمدیہ (سرگودھا) کے پرنسپل مقرر ہوئے جو ۱۹۴۹ء میں یعنی پاکستان کے قیام کے محض دو برس بعد بنایا گیا تھا۔ ڈھکو نے محسوس کیا کہ اکثر ذاکرین منبر پر بیٹھ کر شیخیوں والے عقائد بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کو خوش کرنے اور حاضرین سے داد وصول کرنے کی غرض سے محض اہل البیت (سلام اللہ علیہم) کے فضائل پر توجہ دیتے ہیں اور عوام کو نیک کام کرنے یا برائیوں سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتے۔ چنانچہ انہوں نے صحیح شیعہ عقائد لوگوں کو پہنچانے اور ان کے درمیان غلو کے سدباب کی خاطر کافی ساری کتابیں لکھیں۔

پس ساٹھ کی دہائی میں ڈھکو نے اصلاح المجالس والمحافل کے نام سے مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جو مبلغ (سرگودھا) میں اکتوبر ۶۵ء اور ستمبر ۶۶ء کے درمیان شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۶۷ء میں یہ تمام مضامین کتابی شکل میں چھاپے گئے۔ ڈھکو نے علماء و ذاکرین و تمام اہل منبر کو تاکید کی کہ درست شیعہ عقائد کی تعلیم لوگوں کو دیں اور انہیں غالی بنانے سے پرہیز کریں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مجالس حسینی کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ڈھکو کے خلاف غالیوں اور شیخیوں نے مہم چلا دی جس میں ان کے دلائل کا جواب دینے کے بجائے سب و شتم سے کام لیا گیا۔ کتاب کے چھپنے کے چھ برس بعد محمد بشیر انصاری نے ذاکری کا شرعی مقام کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں یہ تک تھا کہ اگر ایک ذاکر کو اسکے کام کا معاوضہ نہ دیا جائے تو پھر ذاکر کو جبراً پیسہ وصول کرنا چاہئے۔ لطف یہ ہے کہ اس وقت شیخ حسین نوریؒ کی کتاب لؤلؤ و مرجان بھی بزبان اردو شائع ہو رہی تھی اور اس کا موضوع بھی یہی تھا کہ مجالس حسینیہ کی اصلاح کی جائے تاکہ ذاکر حضرات اس کام کو کمائی کا ذریعہ نہ بنائیں۔

۱۹۶۵ء میں سید منظور حسین بخاری (۱۹۲۷ء تا ۱۹۸۰ء) نے شیخ صدوقؒ کی تالیف لطیف عقائد کا اردو ترجمہ لکھا جس پر ڈھکو صاحب کی لمبی چوڑی تقریظ بھی موجود تھی۔ اس کا نام احسن الفوائد تھا۔ ڈھکو نے اس میں غلو اور تفویض کا بھی رد کیا۔ اس کے جواب میں مولانا سید محمد عارف نے کشف الحقائق کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ عارف صاحب کا دعویٰ تھا کہ ڈھکو نے اہل البیت کے معاملے میں تقصیر کی ہے اور وہ وہابیت کی ترویج کرتے ہیں۔ انہوں نے ڈھکو اور دیگر مشائخ کو قشری علماء کا نام دیا یعنی کہ ان لوگوں کو دین حق اسلام کا صرف قشر مطلب بھوسی ہی دستیاب ہے۔ مولانا ضمیر الحسن نے معالم الشریعہ کے نام سے جواب لکھا جس میں ڈھکو پر تقصیر کرنے کا الزام لگایا۔ پس ساٹھ کی دہائی میں ڈھکو صاحب کے خلاف کافی علماء نے پروپیگنڈا کیا، مجالس میں ان پر تبراء کیا گیا اور کہا گیا کہ دیکھو اس آدمی سے بچو کیونکہ یہ تمہیں وہابی بنانا چاہتا ہے۔

ڈھکو نے محمد عارف کی کتاب کا جواب **اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ** کے نام سے لکھا۔ اس کتاب میں ڈھکو نے مختلف شیعہ عقائد پر روشنی ڈالی بالخصوص مندرجہ ذیل نظریات:

ا) اہل البیت کی نوع ہم انسانوں کی ہی نوع ہے اور اہل البیت کی صنف یا نوع کو الگ بتانا غلاۃ کا قول ہے۔

ب) اہل البیت کی تخلیق نور سے نہیں ہوئی بلکہ ان کی ولادت عام انسانوں کی ہی طرح ہوتی ہے مگر یہ کہ زیادہ پاکیزہ۔

ج) تفویض کا عقیدہ باطل ہے۔

د) معجزہ فعل خدا ہے، نہ کہ فعل امام۔

ہ) اہل البیت سے بلا واسطہ مدد مانگنا حرام ہے کیونکہ بلا واسطہ مدد صرف اللہ سے مانگنی چاہئے۔

و) حاضر ناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے اور اہل البیت ہر جگہ موجود نہیں۔

ز) اہل البیت علم الغیب نہیں رکھتے تھے۔

ح) معراج کے موقعے پر امیر المومنین (ع) حاضر نہ تھے۔

اپنی اس کتاب میں ہی محمد حسین ڈھکو نے اپنے اوپر لگائے جانے والے وہابیت والے الزام کا جواب دیا۔ مزید لکھا کہ پنجاب کے تقریباً سب ہی شیعہ گزشتہ پچاس یا ساٹھ سال سے تفویض کے قائل ہو چکے ہیں۔ ڈھکو صاحب نے ایک سوالنامہ بھی تیار کیا جس میں شیعہ علماء سے مختلف فیہ امور کے بارے میں سوالات کیے گئے تھے۔ سوالات کچھ یوں ہیں:

ا) کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (ص) اور اہل البیت کو خلق کرنے، رزق بانٹنے یا زندگی موت دینے کا اختیار تفویض کیا ہے؟

ب) کیا معجزہ فعل خدا ہے یا فعل امام؟

ج) کیا رسول اللہ (ص) اور اہل البیت حاضر ناظر ہیں؟

د) کیا رسول اللہ (ص) اور اہل البیت امور غیبیہ سے واقف ہیں؟

ہ) کیا رسول اللہ (ص) اور اہل البیت کی نوع الگ ہے یا باقی انسانوں کی ہی نوع ہے؟

اکثر علمائے شیعہ نے ان سوالوں کا جواب ''نہ'' میں دیا۔ سب سے مشہور علماء جنہوں نے ڈھکو صاحب کے عقائد کی تائید کی وہ مفتی جعفر حسین نجفی (۱۹۱۴ء تا ۱۹۸۳ء)، سید گلاب علی شاہ نقوی (۱۹۱۲ء تا ۱۹۹۲ء)، سید محمد یار شاہ نجفی (۱۹۱۵ء تا ۱۹۹۰ء)، حسین بخش جاڑا (۱۹۲۰ء تا ۱۹۹۰ء)، حافظ سیف اللہ جعفری (۱۹۲۵ء تا ۱۹۸۰ء) اور اختر عباس نجفی (۱۹۲۵ء تا ۱۹۹۹ء) ہیں۔ یاد رہے کہ یہ ڈھکو سمیت یہ چھ علماء وہ حضرات ہیں جنہیں شیخیوں نے خالصیؒ کا سب سے بڑا پیروکار اور تقصیر کا سب سے بڑا حامی قرار دیا تھا۔ ان میں سب سے سینئر علما تو جعفر حسین اور گلاب علی تھے۔ ڈھکو صاحب ان سب کے جونیئر تھے۔

اب چونکہ یہ چھ کے چھ علماء پاکستان کے جانے مانے عالم دین تھے، شیعہ قوم اس وقت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ ڈھکو کا حمایتی تھا۔ ان لوگوں کو ڈھکو پارٹی، خالصی پارٹی اور وہابی شیعہ جیسے القابات دیے گئے۔ دوسری طرف شیخیوں اور ان کے ہی پیروکاروں،

ہم خواہوں اور غم خواروں کا گروپ تھا۔ افسوس یہ کہ شیخیوں کا ہی اس وقت منبر پر قبضہ تھا۔ مجالس میں بھی ان کو ہی زیادہ بلایا جاتا تھا اور لوگ بھی ان ہی لوگوں کو سننا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ستر کی دہائی میں ان لوگوں نے کھلم کھلا شیخ احمد اور کاظم رشتی کا نام مجالس میں لینا شروع کر دیا (حالانکہ عراق و ایران کے علماء ان دونوں کے کفر کے فتاویٰ جاری کر چکے تھے)۔ پہلے پہل تو پاکستانی غلاۃ کا رابطہ کرمان میں موجود شیخیوں کے مراکز سے تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے کویت کے میرزا حسن احقاقی سے ہدایت لینا شروع کر دی۔ شیخیوں کا مرجع تقلید حسن ابن موسیٰ ابن باقر اسکوئی (یا اسکونی) ۲۰۰۰ء تک زندہ رہا۔ یہ اس ہی موسیٰ اسکوئی کا بیٹا تھا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

غرض ڈھکو کی کتاب اصول شریعہ چھپنے کے بعد ملت تشیع میں بھونچال آ گیا۔ اس کے جواب میں کافی کتابیں چھپیں۔ ان میں سے ایک کتاب محمد بشیر انصاری کی تھی جس کا نام حقائق الوسائط تھا۔ بشیر انصاری نے ڈھکو اور انکے حامیان کو نواصب و دشمنان اہل البیت قرار دیا۔ انہوں نے فتویٰ بھی دیا کہ ڈھکو اور ان کے پیروکاروں کی گواہی قبول نہیں، یہ نماز کی امامت نہیں کریں گے، زکوٰۃ ان کو دینا گناہ ہے اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ چنانچہ کافی سارے سچے شیعہ علماء کا بائیکاٹ کیا گیا اور مساجد سے انہیں نکال دیا گیا۔

مگر مومنین نے شکست تسلیم نہیں کی اور اپنے عقائد کی ترویج کرتے رہے۔ حسین بخش جاڑا نے لمعہ الانوار میں لکھا کہ تفویض کا عقیدہ باطل و بدعت ہے۔ اپنی تفسیر انوار نجف میں بھی انہوں نے شیخیوں کے گمراہ کن نظریات کا رد کیا۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ محض اللہ ہی خلق کرنے، رزق دینے اور زندگی موت کا انتظام کرنے پر قادر ہے۔ یعنی ربوبیانہ صفات کو معصومین سے منسوب کرنا جائز نہیں۔ اسکے بعد ۱۹۶۸ء میں سید بشیر حسین بخاری نے جن کا تعلق سرگودھا سے تھا دونوں گروہوں کے درمیان صلح صفائی کرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اس کا ذکر انہوں نے ''ایک مخلصانہ تحریک اور اس کا انجام'' میں کیا ہے۔

اسی اثناء میں کراچی میں موجود کرمانی شیخیوں کے نمائندے ڈاکٹر کاظم علی رسا نے بشیر انصاری اور میرزا یوسف کے ساتھ اس چیز پر بات چیز شروع کر دی کہ شیخیوں کے عقائد پاکستان میں کس طرح پھیلائے جائیں۔ یہ پوری خط و کتابت ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر رسا نے گلدستہ مودت کے نام سے شائع کر دی تھی۔ ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر صاحب نے لاہور سے نکلنے والے ہفتہ وار رضا کار میں ایک پبلک نوٹس شائع کیا کہ ان کے پاس کرمان سے شیخ احمد اور کاظم رشتی کے عقائد پر مشتمل بعض کتب پہنچی ہیں جن کے اردو تراجم وہ شیعوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رضا کار کے مدیر محمد صدیق کو بتایا گیا کہ شیخیوں کے عقائد بارہ امامی شیعوں سے مختلف ہیں اور یہ فرقہ علمائے شیعہ ایران کے نزدیک کافر ہے۔ پس صدیق صاحب نے اگلے شمارے میں شیخیوں کو ایک گمراہ کن فرقہ قرار دے دیا۔ پھر حسین زیدی برستی صاحب نے ''ہوشیار! قوم شیعہ ہوشیار!'' کے نام سے ایک مضمون رضا کار میں چھپوایا جس میں لوگوں کو شیخیوں سے خبردار کیا گیا تھا۔ اس سب کو دیکھ کر ڈاکٹر رسا نے محمد صدیق اور زیدی برستی پر مقدمہ کر دیا لیکن شکست کھائی۔

ایسا ہی ایک واقعہ ۱۹۷۵ء میں پیش آیا جب درس آل محمد (فیصل آباد) کے منتظم مولانا محمد اسماعیل دیوبندی نے اپنے مدرسے کے جلسہ سالانہ کا اشتہار شائع کیا جس میں ''شیخ الاحد شیخ احمد الاحسائی زندہ باد!'' درج تھا۔ جب دوسروں نے اس پر اعتراض کیا تو جواب میں محمد اسماعیل نے کہا کہ چونکہ محمد حسین ڈھکو پاکستان میں خالصی عقائد کی ترویج کر رہے ہیں اس لیے انہیں بات کا خوف ہوا کہ کہیں سارے

شیعہ وہابی نہ ہو جائیں۔ چنانچہ شیخ احمد اور کاظم رشتی کا نام لینا خالصی عقائد کے خلاف ایک تریاق ہے۔ مزید کہا کہ شیخ احمد الاحسائی معصومین (سلام اللہ علیہم اجمعین) کے باطنی فضائل کا دفاع کرتے تھے تا کہ وہابیوں اور تقصیر کے قائل افراد کے اعتراضات کا رد ہو۔ چنانچہ ڈھکو کے خلاف بشیر انصاری، یوسف حسین اور اسماعیل دیوبندی کا گروہ کھڑا تھا۔

ستر کی دہائی میں ہی شیخیوں کے خلاف پوسٹر اور پمفلٹ تقسیم کرنے کا سلسلہ پاکستان میں رواج پا چکا تھا۔ یہ پوسٹر شیخیوں کی تکفیر کیا کرتے اور مولانا اسماعیل پر شیعیت سے بھاگنے کا الزام ڈالتے۔ مولانا اسماعیل جو کہ اس دور میں مناظروں میں فتحیاب ہونے کے باعث مبلغ اعظم مشہور تھے ان کو شیخیوں کی حمایت کرنے کے باعث مطعون کیا جاتا کیونکہ ایران و عراق کے جید علماء نے شیخیوں اور ان کے اکابر (احمد الاحسائی اور کاظم رشتی) کے کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ مولانا ساجد علی نقوی کے برادر عزیز شیر علی شاہ نے **تنبیه شیعه بر فتنه شیخیه** کے نام سے ایک فتویٰ صادر کیا جس میں شیخیوں کو استعمار کے ایجنٹ اور گمراہ کن فرقہ بتایا۔ مزید یہ لکھا کہ مولانا محمد اسماعیل کی حمایت کرنا شیخیوں کا ساتھ دینے کے مترادف ہوگا۔ مولانا حشمت علی نے کہا کہ مولانا اسماعیل جہاں کہیں بھی جائیں ان کا استقبال سیاہ پرچموں سے کیا جائے۔ حسین عارف نے بیان کیا کہ انہیں مولانا محمد ثقلین کاظمی (اسلام آباد) نے بتایا جنہوں نے مولانا محمد اسماعیل سے روایت کی جو کہتے ہیں کہ انہیں محمد بشیر انصاری نے شیخیوں کے عقائد پھیلانے کی دعوت دی تھی لیکن جب مخالفت بڑھی تو انہوں نے اسماعیل دیوبندی کو تنہا چھوڑ دیا۔ یہ روایت حسین عارف کی کتاب تذکرہ علماء امامیہ میں موجود ہے۔ مبلغ اعظم کے والد ایک اہلحدیث عالم تھے اور مولانا محمد اسماعیل کے شیعہ ہو جانے کے سبب خاندان والوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے دشمنان اہل البیت اور مخالفین سے مناظرے کیے اور تشیع کا نام روشن کیا۔ افسوس کہ عمر کے آخری حصے میں آ کر گمراہ ہو گئے اور شیخیوں کے گن گانے لگے۔

عقدہ جو وا ہو نہیں سکا

۱۹۷۶ء میں مولانا اسماعیل وفات پا گئے۔ شیخیوں کا زور بھی کم ہو گیا۔ مگر مختلف فیہ امور کو لے کر شیعوں کے مابین مناظرات چلتے رہے۔ کسی نے ''مولانا محمد حسین ڈھکو وہابی'' کے نام سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا جس میں ان کی کتاب اصول شریعہ کو اسماعیل شاہد دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کے برابر قرار دیا گیا جو شیعیت کے رد میں لکھی گئی تھی۔ علی حسنین شیفتہ نے ستر کی دہائی کے آخر میں تحقیق حق لکھی جس میں اصول شریعہ پر تنقید موجود تھی۔ اس کتاب کے دس ابواب تھے اور اصول شریعہ کو لے کر نوے سوالات اٹھائے گئے تھے۔ اس کے جواب میں توثیق حق شائع ہوئی جس پر نام تو راجہ محسن علی درج تھا لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب ڈھکو صاحب نے خود لکھی تھی اور اس میں مخالفین کے متعلق ناشائستہ زبان استعمال کی گئی۔ اس کے جواب میں شیفتہ صاحب نے سید تصدق حسین جعفری کے نام سے کتاب لکھی جس کا نام تائید حق و تردید باطل تھا۔ اس میں ڈھکو پر ذاتی حملے کیے گئے تھے۔

مولانا میرزا نوازش علی جو کہ یوسف حسین کے تلامذہ میں سے تھے، انہوں نے موازنہ حق و باطل کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں دعویٰ کیا گیا کہ ڈھکو نے شیعوں کو شیخیوں اور خالصی وہابیوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ البتہ شیخیوں کے مشن کو شدید ضعف اس وقت پہنچا جب

مفتی جعفر حسین تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے امیر مقرر رہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں ان کے انتقال پرملال کے بعد تحریک دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی: پہلا گروہ سید عارف حسین الحسینی کے پیچھے کھڑا تھا جبکہ دوسرا گروہ سید حامد علی شاہ موسوی کے ساتھ تھا۔ حامد علی موسوی شیخی نظریات کے حامل تھے جبکہ عارف حسین کے نظریات شیخیوں کے حق میں نہیں تھے۔ حامد علی شاہ کے پیچھے آیت اللہ احقاقی (شیخیوں کا مرجع تقلید) کے نمائندے مولانا محمد حسنین **سابقی** کھڑے تھے۔ حامد علی کا انتقال ۲۰۲۲ء میں ہوا جبکہ عارف حسینی کی شہادت کا علم تو سب ہی کو ہے۔ حامد علی صاحب کے حق میں اور خلاف پمفلٹ شائع ہوتے رہے۔ یہ ضیاء کی آمریت کا دور تھا۔

۱۹۸۶ء میں مولانا حسنین نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا نام تھا **خالصیت نامہ**۔ اس میں شیخ احمد کے نظریات کا دفاع موجود تھا اور محمد ابن مہدی خالصی زادہ کے عقائد کا رد کیا گیا تھا۔ اگلے برس ان الزامات کو لے کر لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامے القائم میں ڈھکو کا انٹرویو شائع ہوا جو صفدر حسین ڈوگر نے لیا تھا۔ اس میں ڈھکو صاحب نے خالصی زادہ کا دفاع کیا۔ بعدازاں جب صفدر حسین نے ضمیر الحسن، میرزا یوسف حسین اور کاظم حسین اثیر جاڑا (م: ۱۹۹۲ء) کا انٹرویو لیا تو وہ خالصی کی کسی ایسی کتاب کا نام نہیں بتا سکے جو انہوں نے پڑھ رکھی ہو۔ اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ عوام نے جان لیا کہ خالصی اور ڈھکو (رضوان اللہ علیہما) کے مخالفین کے پاس سوائے سنی سنائی باتوں اور بدگمانیوں کے ان حضرات کے خلاف کوئی چیز نہیں۔

اگست ۱۹۸۸ء میں عارف حسینی شہید کر دیے گئے جس کے بعد ساجد علی نقوی (جو کہ گلاب علی شاہ کے بھتیجے یا بھانجے ہیں) تحریک جعفریہ پاکستان کے سربراہ بنے۔ گلاب شاہ کی طرح ساجد علی نے بھی غلو کا سدباب کیا۔ مدرسہ مخزن العلوم (ملتان) میں ٹیچر کی حیثیت سے شیخیوں کی مخالفت کا جو سفر ساجد علی نے شروع کیا تھا وہ الحمدللہ آج بھی جاری وساری ہے۔ انہوں نے آیت اللہ محسن الحکیم (م: ۱۹۷۰ء) کا فتویٰ بھی شائع کیا جس کے مطابق ایسا آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا جو اہل البیت کے بارے میں کہتا ہو کہ وہ خلق کرنے، رزق دینے اور زندگی موت کا انتظام کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں آیت اللہ خامنہ ای سپریم لیڈر ایران نے زنجیر زنی کے خلاف فتویٰ دیا۔ جواباً شیخی علماء نے اس فتویٰ کے خلاف فتاویٰ جاری کیے۔ پاکستان میں غلاۃ نے زنجیر زنی کا سلسلہ اور تیز کر دیا اور باقاعدہ انجمنیں بن گئیں جن کا کام قمہ زنی وزنجیر زنی کو فروغ دینا تھا۔ حال یہ ہوگیا کہ مولانا مرید عباس یزدانی (م: ۱۹۹۶ء) نے جو کہ اس وقت سپاہ محمد کے سیکرٹری جنرل تھے فتویٰ دیا کہ زنجیر زنی واجب ہے۔ زنجیر زنی کی اہمیت پر کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

پھر ۱۹۹۵ء میں اصلاح الرسوم شائع ہوئی جس میں اذان واقامت میں علیاً ولی اللہ پڑھنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس کتاب نے بھی قوم شیعہ کے بیچ طوفان برپا کیا اور اس کے جوابات شائع ہوئے۔ چونکہ ڈھکو صاحب اسوقت تحریک جعفریہ کی سپریم کونسل کے ممبر تھے، تحریک نے اس کتاب سے برائت ظاہر کی۔ حالانکہ ستر کی دہائی سے ہی شیخیوں کا پاکستان میں زوال جاری ہے، ان کے بہت سے مدارس ابھی بھی ملک بھر میں کھلے ہیں جن کی مالی معاونت کویت سے ہوتی ہے۔ شیخیوں کی احقاقی برانچ پاکستان میں اپنے نظریات پھیلاتی رہتی ہے اور ان کا کام یہاں کے ذاکرین حضرات آسان کرتے ہیں۔ ڈھکو صاحب بھی شیعوں کے ساتھ مقبولیت کھو بیٹھے ہیں۔ غلو کا کیڑا ملت تشیع کو اس طرح کھا رہا ہے جس طرح لکڑی کے بنے گھر کو دیمک چاٹ ڈالتی ہے۔